خطبۂ عید الفطر

[یہ وہ تقریر ہے جو یکم شوال کو بروز جمعہ عید الفطر کے موقع پر گلبرگ ، لاہور کے اجتماع عید میں کی گئی تھی -]

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ - وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ الَّذِیْ اَرْسَلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْکَرِہَ الْکَافِرُوْنَ -

حضرات! قبل اس کے کہ میں آپ کی خدمت میں عید کے متعلق کچھ عرض کروں، یہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ رویتِ ہلال کے معاملے میں کل جو صورت پیش آئی ہے اس کے متعلق اپنے نقطۂ نظر کو وضاحت کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کردوں - اس لیے کہ کل عید کے قبول نہ کیے جانے کی ذمہ داری میں مَیں بھی شریک ہوں - اس معاملے میں سب سے پہلے دو اصولی باتیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہییں -

اوّل یہ کہ اگر کوئی واقعہ ایسی حالت میں پیش آئے جب کہ کثیر تعداد دیکھنے والوں کی موجود ہو تو ایسی صورت میں دو چار آدمیوں کا یہ کہنا کہ واقعہ اِس شکل میں پیش آیا درآنحالیکہ ہزاروں آدمی جو موجود تھے انہوں نے اس کو نہیں دیکھا، قابلِ قبول نہیں ہو سکتا - البتہ اگر واقعہ کسی بند کمرے میں پیش آیا ہو جہاں دو تین ہی آدمی دیکھنے والے ہوں تو اُس صورت میں ان کی شہادت قابلِ غور ہو سکتی ہے - اس حالت میں واقعہ کی تحقیق کے لیے ان کی شہادت کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہوتی جس پر انحصار کیا جا سکے - اور ان کی شہادت کو رد یا قبول کرنے کے لیے بس یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ گواہ جھوٹے ہیں یا سچے، اور ان کا کوئی خاص مفاد تو واقعہ کو اس شکل میں بیان کرنے سے وابستہ نہیں ہے، اور ان کی شہادتوں میں کوئی ایسا تناقض تو نہیں ہے جس کی بنا پر وہ قابلِ قبول نہ ہوں - اگر وہ سچے لوگ ہوں، اور ان کا ذاتی مفاد بھی اس معاملے سے متعلق نہ ہو، اور

ان کے بیانات میں تناقض بھی نہ ہو، تو ان کے قول کو تسلیم کر لیا جائے گا۔ اب دیکھیے کہ چاند کا آسمان پر نکلنا اگر مطلع صاف ہو تو اس کے دیکھنے والے لاکھوں آدمی ہوتے ہیں۔ اس کا فیصلہ دو چار یا چند آدمیوں کی شہادت پر نہیں ہو سکتا۔ آخر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ آسمان پر جو چیز نمایاں ہو اسے لاکھوں آدمی تو نہ دیکھ سکیں اور بس دو چار یا دس پانچ آدمی دیکھ لیں۔ البتہ اگر مطلع صاف نہ ہو اور بادل فضا پر چھائے ہوئے ہوں، اس صورت میں دو چار آدمی اگر یہ بیان کریں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے تو ان کی یہ شہادت قابلِ غور ہو سکتی ہے کیونکہ اس بات کا امکان ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے بدلی کہیں سے ہٹی ہو اور کسی کو چاند نظر آ گیا ہو۔ اس صورت میں صرف یہی دیکھنا ہو گا کہ یہ لوگ سچے ہیں یا نہیں اور خود روزے نماز کے پابند ہیں یا نہیں کیونکہ جو شخص خود روزے نماز کا پابند نہ ہو اسے اس بات کی کیا فکر ہو سکتی ہے کہ لوگوں کے روزے ٹوٹیں یا رہیں۔ لہٰذا اگر ایسے بھروسے کے قابل آدمی شہادت دیں تو اُن کی شہادت پر رویتِ ہلال کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔

دوسری اصولی بات جو آپ کے ذہن میں اچھی طرح سے صاف ہونی چاہیے وہ یہ ہے کہ رویتِ ہلال کے معاملے میں پہلے مرحلے پر شہادت درکار ہوتی ہے اور دوسرے مرحلے پر صرف خبر کافی ہو جاتی ہے یعنی سب سے پہلے اس امر کی شہادت قائم ہونی چاہیے کہ چاند ایسے چند آدمیوں نے دیکھا ہے جو بھروسے کے قابل تھے۔ کسی معتبر مجلس یا کسی مفتی یا قاضی نے یہ شہادتیں لی ہوں۔ ان شہادتوں کی بنا پر جب وہ مطمئن ہو کر رویتِ ہلال کا اعلان کر دے، تو اس کے بعد یہ ضروری نہیں رہتا کہ ہر ایک آدمی یا تو خود چاند دیکھے یا اس کے سامنے شہادتیں پیش ہوں۔ بلکہ مجلسِ مجاز یا مفتی یا قاضی کے اعلان کی بنا پر اگر سائرن بجیں یا نقارے بجیں یا شہر میں عام چرچا ہو کہ چاند دیکھا گیا تو عام لوگوں کے لیے یہ خبر کافی ہے۔

ان دو اصولی باتوں کو سمجھ لینے کے بعد اب دیکھیے کہ گزشتہ بدھ کو یہاں کیا صورتِ حال پیش آئی ہے۔ اس روز آپ جانتے ہیں کہ لاہور شہر میں مطلع صاف تھا۔ لاکھوں آدمی چاند دیکھنے والے موجود تھے، مگر پورے شہر میں کسی نے چاند نہیں دیکھا تھا۔ پونے آٹھ بجے خبروں میں یہ اعلان کیا گیا کہ چاند دیکھ لیا گیا ہے، کل عید ہو گی۔ مگر اس میں کوئی صراحت اس امر کی نہیں تھی کہ چاند کہاں دیکھا گیا اور

کیا شہادت اس کے دیکھے جانے کی قائم ہوئی۔ یہ خبر سننے کے بعد دلوں میں شبہات پیدا ہوئے اور میں بھی پریشانی میں مبتلا ہو گیا۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ لاہور میں لاکھوں آدمی آسمان پر آنکھیں لگائے ہوئے ہوں، مطلع بھی صاف ہو اور پھر یہاں تو چاند نظر نہ آئے اور دوسری کسی جگہ دیکھ لیا جائے۔ یہ خبر سننے کے بعد میں نے مغربی پاکستان کے مختلف حصوں میں خود بھی ٹیلیفون کیے اور مغربی پاکستان کے مختلف حصوں سے میرے پاس بھی ٹیلیفون مسلسل آنے شروع ہوئے۔ کراچی، نواب شاہ، صادق آباد، رحیم یار خان، خان پور، ملتان، سرگودھا، حافظ آباد، گجرات، گوجرانوالہ، نارووال، سیالکوٹ، لالہ موسیٰ، راولپنڈی، غرض مختلف مقامات سے یہ خبر ملی کہ ہر جگہ مطلع صاف تھا مگر چاند کہیں نہیں دیکھا گیا۔ اس کے بعد یہ اطلاعات آنی شروع ہوئیں کہ ملتان میں، سرگودھا میں، لائل پور میں، گجرات میں، گوجرانوالہ میں، حافظ آباد میں، اور بعض دوسرے مقامات پر علماء نے یہ رائے قائم کی ہے کہ چاند نکلنے کا کوئی قابلِ اطمینان ثبوت بہم نہیں پہنچا اس وجہ سے کل عید نہیں ہوگی بلکہ روزہ رکھا جائے گا۔ میرا خود بھی اس معاملے میں پورا اطمینان ہو گیا کہ چاند نکلنے کا ثبوت بہم نہیں پہنچا ہے۔

ریڈیو پر جو اطلاعات بعد میں دی گئیں وہ یہ تھیں کہ مالاکنڈ، مردان، پشاور اور کوہاٹ میں چاند دیکھا گیا ہے لیکن ان میں بھی اس بات کی صراحت نہیں تھی کہ آیا وہاں مطلع صاف تھا یا نہیں۔ اگر مطلع صاف تھا تو کیا وہاں جمِ غفیر نے دیکھا ہے؟ اگر مطلع صاف نہیں تھا تو کیا وہاں شرعی طریقے سے شہادت بہم پہنچی ہے اور اس کی بنا پر یہ فیصلہ دیا جا رہا ہے؟ ان امور کی صراحت نہ ہونے کی صورت میں یہ بات باور کرنے کے قابل نہیں تھی کہ کراچی سے لے کر راولپنڈی تک مطلع صاف ہو، لاکھوں آدمی جگہ جگہ آسمان کی طرف نگاہ لگائے ہوئے ہوں اور کہیں ان کو چاند نظر نہ آئے مگر مالاکنڈ میں وہ نظر آجائے، یا مردان یا پشاور میں لوگ اسے دیکھ لیں۔ مزید شبہ پیدا کرنے والی بات یہ تھی کہ جس علاقے کا حوالہ دیا جا رہا ہے وہاں برسوں سے پاکستان کے باقی تمام علاقوں سے مختلف ایام میں روزے شروع بھی کیے جاتے رہے ہیں اور عید بھی کی جاتی رہی ہے۔ اب بھی ۱۲ جنوری کے پاکستان ٹائمز میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ مردان اور چارسدہ کے بعض مقامات پر بدھ کے روز عید کی گئی ہے۔ ایسی صورت میں ہمارے لیے یہ بات کسی طرح بھی قابلِ قبول

نہ ہو سکتی تھی کہ جمعرات کو عید کی جائے۔ دینی حیثیت سے یہ معاملہ بڑا نازک ہے۔ اگر رویت ہلال ثابت نہ ہو اور ہم روزہ چھوڑ کر عید منالیں تو گناہ عظیم ہے اور اگر رویت ثابت ہو اور ہم عید کرنے کے بجائے روزہ رکھیں تو گناہ عظیم ہے۔ اور یہ کسی ایک شخص کا انفرادی معاملہ بھی نہیں ہے بلکہ ایک پوری قوم کے کروڑوں آدمیوں کا معاملہ ہے۔ اس میں تساہل سے کیسے کام لیا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں ہماری یہ ذمہ داری تھی کہ ہم ملک کے لوگوں کو خبردار کردیں کہ رویتِ ہلال کی کوئی قابلِ اطمینان شہادت قائم نہیں ہوئی ہے، اس لیے لوگ جمعرات کا روزہ رکھیں اور عید نہ کریں۔ ہمارے پاس کوئی ذریعہ ملک کے لوگوں کو خبر کرنے کا نہیں تھا۔ ریڈیو کو ہم استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ اخبارات میں عام اعلان بھی نہیں کرا سکتے تھے۔ صرف ایک اخبار نے یہ جرأت کی کہ میرا پورا بیان شائع کر دیا۔ شہر میں مساجد کے لاؤڈ اسپیکروں سے بھی اعلان کم ہی کیا جا سکا۔ اسی وجہ سے وہ افراتفری رونما ہوئی جو کل دیکھی گئی ہے۔

جمعرات کی شام کو جو چاند دیکھا گیا ہے اس نے حقیقتِ حال کو سارے ملک کے سامنے کھول دیا ہے۔ کوئی شخص بھی اس چاند کو دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ دوسری تاریخ کا چاند تھا۔ اگر ۲۹ کو چاند ہوچکا ہوتا تو لازماً یہ دوسری تاریخ کا چاند ہونا چاہیے تھا۔ کیا دوسری تاریخ کا چاند بھی کسی نے ایسا باریک اور دھندلا دیکھا ہے؟ اب بعض لوگ یہ سوال کر رہے ہیں کہ اگر یہ ۳۰ کا چاند تھا تو زیادہ دیر تک کیسے نظر آتا رہا؟ ان حضرات کو یہ معلوم نہیں ہے کہ ۲۹ تاریخ کا چاند تھوڑی دیر کے لیے نظر آتا ہے اور جلدی غائب ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس ۳۰ کا چاند خاصی دیر تک ٹھیرتا ہے۔ لیکن ۳۰ کا چاند ایسا دھندلا ہوتا ہے کہ آسمان پر اس کو تلاش کرنا پڑتا ہے۔ تلاش کے بغیر وہ نظر نہیں آتا۔ اور دوسری تاریخ کا چاند خود سامنے موجود ہوتا ہے، اس کو ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

یہ ہے اس معاملے میں صحیح صورتِ حال۔ ہمارے لیے یہ نہایت خوشی کی بات ہے کہ حکومت پاکستان نے ایک مسلمان حکومت کا فرض ادا کرنے کی کوشش کی اور رویت ہلال کا انتظام خود اپنے ہاتھ میں لیا۔ ہم تو خود چاہتے تھے کہ وہ ان فرائض کو ادا کرے جو ایک مسلمان حکومت پر عائد ہوتے ہیں۔ لیکن اس کام کے لیے جو انتظام اس نے کیا ہے وہ قابلِ اطمینان نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے پچھلے سال بھی عید میں گڑبڑ

ہوئی تھی جس کا خود حکومت کو اعتراف کرنا پڑا۔ اب اس سال جو صورتِ حال پیش آئی ہے اس نے رویتِ ہلال کے موجودہ سرکاری انتظام کو اس حد تک ناقابلِ اطمینان ثابت کر دیا ہے کہ آئندہ اس کے اعلانات پر کوئی اعتماد نہ کیا جا سکے گا۔ بہتر یہی ہے کہ اس طریقہ کو فوراً تبدیل کر دیا جائے۔ رویت کے انتظام کی صحیح صورت یہ ہے کہ ہر ضلع میں رویتِ ہلال کمیٹیاں بنائی جائیں جن کے اندر ایسے قابلِ اعتماد علماء کو شامل کیا جائے جن کی دیانت پر لوگوں کو عام طور پر اعتماد ہو۔ اسی طرح سے مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی میں بھی ایسے لوگوں کو شامل کیا جائے جو اپنے دین اور اخلاق کے لحاظ سے لوگوں میں عام طور پر قابلِ اعتماد سمجھے جاتے ہیں۔ یہ تمام کمیٹیاں اس امر کا پورا اہتمام کریں کہ جس روز عید کا چاند ہونے کا احتمال ہو اس روز شرعی طریقے سے رویت ہونے یا نہ ہونے کا پورا ثبوت بہم پہنچا کر مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی کو اس کی اطلاع کریں۔ مرکزی کمیٹی ریڈیو پر تفصیل کے ساتھ یہ بیان نشر کرے کہ کن ذرائع معلومات کی بنا پر وہ چاند ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کر رہی ہے۔ اس رپورٹ کو خود کمیٹی ہی کا کوئی ذمہ دار آدمی ریڈیو پر آ کر ملک کے سامنے پیش کرے۔ محض کسی اناؤنسر کے ذریعہ سے یہ سنا دینا کہ چاند دیکھ لیا گیا ہے، ہرگز قابلِ اطمینان نہیں ہے۔ یہ طریق کار اختیار کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ عید پر ملک میں افرا تفری برپا ہو سکے۔

اس سلسلہ میں ایک بات اور توضیح طلب ہے جسے صاف کر دینا ضروری ہے۔ بعض حلقے یہ خیال بڑے زور شور سے پھیلا رہے ہیں کہ عید اسلامی اتحاد کا ایک اہم نشان ہے، اس لیے تمام مسلمانوں کی عید لازماً ایک دن ہونی چاہیے۔ ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ساری دنیا کے مسلمانوں کی عید ایک دن ہو۔ اور کچھ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ پاکستان کے تمام مسلمانوں کی عید تو ایک ہی دن ہونی ضروری ہے لیکن درحقیقت یہ فکر و نظر کی غلطی ہے، دین سے ناواقفیت کی بنا پر ایسی باتیں کی جا رہی ہیں، اور یہ باتیں زیادہ تر وہ لوگ کر رہے ہیں جو رمضان کے روزے تو نہیں رکھتے مگر عید کے معاملے میں اسلامی اتحاد کی انہیں بڑی فکر ہے۔

ان حضرات کو پہلی غلط فہمی تو یہ لاحق ہے کہ عید اُن کے نزدیک کرسمس یا ہولی یا دیوالی کی طرح کوئی تہوار ہے، یا پھر یہ کوئی قومی جشن ہے جسے مسلمانوں کے قومی اتحاد کا نشان بنایا گیا ہے۔ حالانکہ دراصل عید کا تعلق

ایک عبادت سے ہے جو رمضان کے آغاز سے شروع ہوتی ہے اور رمضان کے خاتمہ کے بعد اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر دو رکعت نماز پڑھ کر ختم کی جاتی ہے۔ شریعت کے صریح احکام کی رُو سے اس عبادت کا آغاز اُس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک قابلِ اطمینان طریقہ سے یہ معلوم نہ ہو کہ رمضان شروع ہو چکا ہے، اور اس کا اختتام بھی اُس وقت تک نہیں ہو سکتا جبتک ایسے ہی قابلِ اطمینان طریقہ سے یہ علم نہ ہو جائے کہ رمضان ختم ہو چکا ہے۔ قرآن مجید کا صاف حکم ہے کہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ ... فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ " رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے ... پس تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے (یا اس میں موجود ہو) وہ اس کے روزے رکھے"۔ یہ آیت قطعی طور پر اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ رمضان کا مہینہ جب سے شروع ہو اور جب تک وہ رہے، ہر مسلمان کو اس کے روزے رکھنے چاہییں، اور اس مہینے کے روزوں کی تکمیل کیے بغیر کسی عید کا ہرگز کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا اس معاملہ میں اصل چیز مسلمانوں کا اتحاد نہیں ہے بلکہ ماہ رمضان کا اختتام ہے جس کا اطمینان حاصل کرنا عید کرنے کے لیے ناگزیر ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ رمضان ایک قمری مہینہ ہے جس کا انحصار رویتِ ہلال پر ہے۔ اور اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح ہدایت موجود ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی روزے ختم کرو، لیکن اگر مطلع صاف نہ ہو تو تیس روزوں کی تعداد پوری کرو، الّا یہ کہ دو قابلِ اعتماد گواہ یہ شہادت دیں کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے۔ حضورؐ نے اس ارشاد میں دو باتیں صاف صاف متعین فرما دی ہیں۔ ایک یہ کہ رویت کی شہادت اُس وقت درکار ہو گی جبکہ مطلع صاف نہ ہو، دوسرے یہ کہ اس صورت میں خبر پر نہیں بلکہ دو عادل گواہوں کی شہادت پر رویت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور شہادت کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ وہ تار یا ٹیلیفون یا ریڈیو پر نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے گواہوں کا سامنے موجود ہونا ضروری ہے۔ آپ کسی عدالت کو ٹیلیفون پر شہادت دے کر دیکھیں۔ آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ یہ شہادت قابلِ قبول ہے یا نہیں۔ سوال یہ ہے کہ جس ٹیلیفونی "شہادت" کو دنیا کی کوئی عدالت نہیں مان سکتی، آخر ہم سے کیوں چاہا جاتا ہے کہ ہم ایک ایسے اہم شرعی معاملے میں اس پر اعتماد کریں جس پر کروڑوں مسلمانوں کے روزے ٹوٹنے یا قائم رہنے کا انحصار ہے؟

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ساری دنیا کے مسلمانوں کی عید ایک دن ہونی چاہیے وہ تو بالکل ہی لغو بات کہتے ہیں کیونکہ تمام دنیا میں رویتِ ہلال کا لازماً اور ہمیشہ ایک ہی دن ہونا ممکن نہیں ہے۔ رہا کسی ایک ملک یا کسی ایک بڑے علاقے میں سب مسلمانوں کی ایک عید ہونے کا مسئلہ تو شریعت نے اس کو بھی لازم نہیں کیا ہے۔ یہ اگر ہو سکے اور کسی ملک میں شرعی قواعد کے مطابق رویت کی شہادت اور اس کے اعلان کا انتظام کر دیا جائے تو اس کو اختیار کرنے میں کوئی مضایقہ بھی نہیں ہے، مگر شریعت کا یہ مطالبہ ہرگز نہیں ہے کہ ضرور ایسا ہی ہونا چاہیے، اور نہ شریعت کی نگاہ میں یہ کوئی برائی ہے کہ مختلف علاقوں کی عید مختلف دنوں میں ہو۔ خدا کا دین تمام انسانوں کے لیے ہے اور ہر زمانے کے لیے ہے۔ آج آپ ریڈیو کی موجودگی کی بنا پر یہ باتیں کر رہے ہیں کہ سب کی عید ایک دن ہونی چاہیے۔ مگر آج سے ساٹھ ستر برس پہلے تک پورے برِّصغیر ہند تو درکنار، اس کے کسی ایک صوبے میں بھی یہ ممکن نہ تھا کہ ۲۹ رمضان کو عید کا چاند دیکھ لیے جانے کی اطلاع سب مسلمانوں تک پہنچ جاتی۔ اگر شریعت نے عید کی وحدت کو لازم کر دیا ہوتا تو پچھلی صدیوں میں مسلمان اِس حکم پر آخر کیسے عمل کر سکتے تھے؟ پھر آج بھی اس کو لازم کر کے عید کی یہ وحدت قائم کرنا عملاً ممکن نہیں ہے۔ مسلمان صرف بڑے شہروں اور قصبوں ہی میں نہیں رہتے۔ دور دراز دیہات میں بھی رہتے ہیں، اور بہت سے مسلمان جنگلوں اور پہاڑوں میں بھی مقیم ہیں۔ وحدتِ عید کو ایک لازمی شرعی حکم بنانے کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان ہونے کے لیے ملک میں صرف ایک ریڈیو اسٹیشن کا ہونا ہی ضروری نہ ہو، بلکہ ہر شخص کے پاس، یا ہر گھر کے لوگوں کے پاس، یا مسلمانوں کی ہر چھوٹی سے چھوٹی بستی میں ایک ریڈیو سیٹ یا ایک ٹرانزسٹر بھی ضرور ہو، ورنہ وہ اپنے شرعی فرائض ادا نہ کر سکیں۔ کیا یہ آلات بھی اب دین کا ایک لازمی جُز قرار پائیں گے؟ خدا کی شریعت نے تو ایسے قواعد مقرر کیے ہیں جن سے ہر مسلمان کے لیے ہر حالت میں دینی فرائض ادا کرنا ممکن ہوتا ہے۔ اس نے نماز کے اوقات گھڑیوں کے حساب سے مقرر نہیں کیے کہ گھڑی ہر مسلمان کے لیے اس کے دین کا ایک جُز بن جائے، بلکہ اس نے سورج کے طلوع و غروب اور زوال جیسے عالمگیر مناظر کو اوقاتِ نماز کی علامت قرار دیا جنہیں ہر شخص ہر جگہ دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح اس نے روزے شروع اور ختم کرنے کے لیے بھی رمضان اور شوال کے چاند کی رویت کو علامت قرار دیا ہے جو عالمگیر مشاہدے کی چیز ہے

اور ہر مسلمان ہر جگہ چاند دیکھ کر معلوم کر سکتا ہے کہ اب رمضان شروع ہوا اور اب ختم ہو گیا۔ اگر وہ اس کی بنیاد جنتری کے حساب کو قرار دیتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ ہر مسلمان کے لیے یا تو فلکیات اور علم نجوم کا علم حاصل کرنا فرض ہو جاتا، یا جنتری اس کے دین کا ایک جُز بن جاتی جسے پاس رکھے بغیر وہ فرائض دینی ادا نہ کر سکتا۔ اور اگر وہ یہ حکم دیتا کہ ایک جگہ کی رؤیت سے ساری دنیا میں، یا روئے زمین کی ایک ایک اقلیم میں روزے شروع اور ختم کرنا فرض ہے، تو خبر رسانی کے موجودہ ذرائع کی ایجاد سے پہلے تو مسلمان اس دین پر عمل کر ہی نہیں سکتے تھے، رہا ان کی ایجاد کے بعد کا دور تو اس میں بھی مسلمانوں پر یہ مصیبت نازل ہو جاتی کہ چاہے انہیں روٹی اور کپڑا میسر ہو یا نہ ہو، مگر وہ مسلمان رہنا چاہیں تو ان کے پاس ایک "ٹرانزسٹر" ضرور ہو۔

حضرات! اس مسئلے کی ضروری توضیح کے بعد اب میں آپ کو اور اپنے تمام مسلمان بھائیوں کو عید کی مبارکباد دیتا ہوں۔ عید کی مبارکباد کے حقیقی مستحق وہ لوگ ہیں جنہوں نے رمضان المبارک میں روزے رکھے، قرآن مجید کی ہدایت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی فکر کی، اس کو پڑھا سمجھا، اس سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی، اور تقویٰ کی اُس تربیت کا فائدہ اٹھایا جو رمضان المبارک ایک مومن کو دیتا ہے۔ قرآن مجید میں رمضان کے روزوں کی دو ہی مصلحتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ ان سے مسلمانوں میں تقویٰ پیدا ہو۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ "تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو"۔ دوسری یہ کہ مسلمان اُس نعمت کا شکر ادا کریں جو اللہ تعالیٰ نے رمضان میں قرآن مجید نازل کر کے ان کو عطا کی ہے۔ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ "تاکہ تم اللہ کی تکبیر کرو اور اس کا شکر ادا کرو اُس ہدایت پر جو اُس نے تمہیں دی ہے"۔

دنیا میں اللہ جل شانہٗ کی سب سے بڑی نعمت نوعِ انسانی پر اگر کوئی ہے تو وہ قرآن مجید کو نازل کرنا ہے۔ تمام نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت ہے۔ اس لیے کہ رزق اور اس کے جتنے ذرائع ہیں، مثلاً یہ ہوا اور پانی اور یہ غلے، اور اسی طرح معیشت کے جو ذرائع ہیں، جن سے انسان اپنے لیے روزی کماتا ہے، مکان بناتا ہے کپڑے فراہم کرتا ہے، یہ ساری چیزیں بھی اگرچہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہی ہیں، لیکن یہ فضل و احسان

اور اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتیں محض انسان کے جسم کے لیے ہیں۔ قرآن مجید وہ نعمت ہے جو انسان کی روح کے لیے، اُس کے اخلاق کے لیے، اور درحقیقت اُس کی اصل انسانیت کے لیے نعمتِ عظمیٰ ہے۔ ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کا شکر اسی صورت میں صحیح طور پر بجا لاسکتا ہے جبکہ وہ اس کے دیئے ہوئے رزق پر بھی شکر ادا کرے اور اس کی دی ہوئی اس نعمتِ ہدایت کے لیے بھی شکر ادا کرے جو قرآن کی شکل میں اس کو دی گئی ہے۔ اس کا شکر ادا کرنے کی یہ صورت نہیں ہے کہ آپ بس زبان سے شکر ادا کردیں اور کہیں کہ اللہ تیرا شکر کہ تو نے قرآن ہمیں دیا۔ بلکہ اس کے شکر کی صحیح صورت یہ ہے کہ آپ قرآن کو سرچشمۂ ہدایت سمجھیں، دل سے اس کو رہنمائی کا اصل مرجع مانیں اور عملاً اس کی رہنمائی کا فائدہ اٹھائیں۔

قرآن مجید آپ کو اپنی ذاتی زندگی کے متعلق ہدایت دیتا ہے کہ آپ کس طرح سے ایک پاکیزہ زندگی بسر کریں۔ وہ آپ کو اُن چیزوں سے منع کرتا ہے جو آپ کی شخصیت کے نشوونما کے لیے نقصان دہ ہیں۔ وہ آپ کو وہ چیزیں بتاتا ہے جن پر آپ عمل کریں تو آپ کی شخصیت صحیح طور پر نشوونما پائے گی اور آپ ایک اچھے انسان بن سکیں گے۔ وہ آپ کی اجتماعی زندگی کے متعلق بھی مفصل ہدایات آپ کو دیتا ہے۔ آپ کی معاشی زندگی کیسی ہو۔ آپ کے گھر کی زندگی کیسی ہو۔ آپ کے تمدن اور آپ کی تہذیب کا نقشہ کیا ہو۔ آپ کی ریاست کن طریقوں پر چلے۔ آپ کا قانون کیا ہو۔ آپ کی معاشی زندگی کا نظام کیسا ہو۔ کن طریقوں سے آپ اپنی روزی حاصل کریں۔ کن راہوں میں آپ اپنی کمائی ہوئی دولت کو خرچ کریں اور کن راہوں میں نہ کریں۔ آپ کا تعلق اپنے خدا کے ساتھ کیسا ہو۔ آپ کا تعلق خود اپنے نفس کے ساتھ کیسا ہو۔ آپ کا تعلق خدا کے بندوں کے ساتھ کیسا ہو۔ اپنی بیوی کے ساتھ، اپنی اولاد کے ساتھ، اپنے والدین کے ساتھ، اپنے رشتہ داروں کے ساتھ، اپنے معاشرے کے افراد کے ساتھ، اور دنیا کے تمام انسانوں کے ساتھ، حتیٰ کہ جمادات اور حیوانات کے ساتھ اور خدا کی دی ہوئی تمام مختلف نعمتوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ کیسا ہونا چاہیے۔ زندگی کے ان سارے معاملات کے لیے قرآن مجید آپ کو واضح ہدایات دیتا ہے۔ ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ اُس کو اصل سرچشمۂ ہدایت مانے، رہنمائی کے لیے اُسی کی طرف رجوع کرے، اُن احکام و ہدایات اور اُن اصولوں کو صحیح تسلیم کرے جو وہ دے رہا ہے، اور اُن کے خلاف جو چیز بھی ہو اُس کو رد کردے خواہ وہ کہیں سے آرہی ہو۔ اگر کسی شخص نے اِس

رمضان المبارک کے زمانے میں قرآن کو اس نظر سے دیکھا اور سمجھا ہے اور کوشش کی ہے کہ اُس کی تعلیم و ہدایت کو زیادہ سے زیادہ اپنی سیرت و کردار میں جذب کرے، تو اس نے واقعی اس نعمت پر اللہ کا صحیح شکر ادا کیا ہے۔ وہ حقیقت میں اس پر مبارک باد کا مستحق ہے کہ رمضان المبارک کا ایک حق جو اُس پر تھا اسے اُس نے ٹھیک ٹھیک ادا کر دیا۔

رمضان المبارک کے روزوں کا دوسرا مقصد جس کے لیے وہ آپ پر فرض کیے گئے ہیں، یہ ہے کہ آپ کے اندر تقویٰ پیدا ہو۔ آپ اگر روزے کی حقیقت پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ تقویٰ پیدا کرنے کے لیے اس سے زیادہ کارگر ذریعہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ تقویٰ کیا چیز ہے؟ تقویٰ یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچے اور اُس کی فرماں برداری اختیار کرے۔ روزہ مسلسل ایک مہینے تک آپ کو اسی چیز کی مشق کراتا ہے۔ جو چیزیں آپ کی زندگی میں عام طور پر حلال ہیں وہ بھی اللہ کے حکم سے روزے میں حرام ہو جاتی ہیں اور اُس وقت تک حرام رہتی ہیں جب تک اللہ ہی کے حکم سے وہ حلال نہ ہو جائیں۔ پانی جیسی چیز جو ہر وقت ہر حال میں حلال و طیّب ہے، روزے میں جب اللہ حکم دیتا ہے کہ یہ اب تمہارے لیے حرام ہے تو آپ اس کا ایک قطرہ تک حلق سے نہیں اتار سکتے خواہ پیاس سے آپ کا حلق چٹخنے ہی کیوں نہ لگے، البتہ جب اللہ پینے کی اجازت دے دیتا ہے اُس وقت آپ اُس کی طرف اس طرح لپکتے ہیں گویا کسی نے آپ کو باندھ رکھا تھا اور ابھی ابھی آپ کھولے گئے ہیں۔ ایک مہینے تک روزانہ یہ باندھنے اور کھولنے کا عمل اسی لیے کیا جاتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی پوری پوری بندگی و اطاعت کے لیے تیار ہو جائیں۔ جس جس چیز سے وہ آپ کو روکتا ہے اُس سے رُکنے کی، اور جس جس چیز کا وہ آپ کو حکم دیتا ہے اس کو بجا لانے کی آپ کو عادت ہو جائے۔ آپ اپنے نفس پر اتنا قابو پالیں کہ وہ اپنے بے جا مطالبات اللہ کے قانون کے خلاف آپ سے نہ منوا سکے۔ یہ غرض ہے جس کے لیے روزے آپ پر فرض کیے گئے ہیں۔

اگر کسی شخص نے رمضان کے زمانے میں روزے کی اس کیفیت کو اپنے اندر جذب کیا ہے تو وہ حقیقت میں مبارکباد کا مستحق ہے۔ اور اس سے زیادہ مبارکباد کا مستحق وہ شخص ہے جو مہینہ بھر کی اس

تربیت کے بعد عید کی پہلی ساعت ہی میں اسے اپنے اندر سے اگل کر پھینک نہ دے بلکہ باقی گیارہ مہینے اس کے اثرات کا فائدہ اٹھاتا رہے۔ آپ غور کیجیے، اگر ایک شخص اچھی سے اچھی غذا کھائے جو انسان کے لیے نہایت قوت بخش ہو، مگر کھانے سے فارغ ہوتے ہی حلق میں انگلی ڈال کر اس کو فوراً اگل دے تو اُس غذا کا کوئی فائدہ اُسے حاصل نہ ہوگا، کیونکہ اس نے ہضم ہونے اور خون بنانے کا اسے کوئی موقع ہی نہ دیا۔ اس کے برعکس اگر ایک شخص غذا کھا کر اسے ہضم کرے اور اس سے خون بن کر اُس کے جسم میں دوڑے، تو یہ کھانے کا اصل فائدہ ہے جو اس نے حاصل کیا۔ کم درجے کی مقوی غذا کھا کر اُسے جزوِ بدن بنانا اِس سے بہتر ہے کہ بہترین غذا کھانے کے بعد استفراغ کر دیا جائے۔ ایسا ہی معاملہ رمضان کے روزوں کا بھی ہے۔ ان کا حقیقی فائدہ آپ اِسی طرح اٹھا سکتے ہیں کہ ایک مہینے تک جو اخلاقی تربیت اِن روزوں نے آپ کو دی ہے عید کے بعد آپ اس کو نکال کر اپنے اندر سے پھینک نہ دیں، بلکہ باقی گیارہ مہینے اس کے اثرات کو اپنی زندگی میں کام کرنے کا موقع دیں۔ یہ فائدہ اگر کسی شخص نے اس رمضان سے حاصل کر لیا تو وہ واقعی پوری پوری مبارکباد کا مستحق ہے کہ اس نے اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت پالی۔

ہمارے اندر بدقسمتی سے ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی موجود ہے جو رمضان کے زمانے میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ رمضان آتا ہے اور گزر جاتا ہے مگر ان کے گھروں میں یہ محسوس تک نہیں ہوتا کہ یہاں کچھ مسلمان بستے ہیں جن کے لیے یہ مہینہ کوئی خاص معنی رکھتا ہے۔ روزہ رکھنا تو درکنار، اس کا احترام کرنے کی توفیق بھی ان کو نصیب نہیں ہوتی۔ رمضان کے زمانے میں وہ اسی طرح اطمینان سے کھاتے اور پیتے رہتے ہیں جیسے کوئی عیسائی یا ہندو یا سکھ کھاتا پیتا رہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ یہ طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں ان کی مثال اس بنجر زمین کی سی ہے جس کے اندر بارش کا موسم آنے پر بھی، جب کہ ہر طرف سبزہ زار پھیلا ہوتا ہے اور کھیتیاں پھلتی اور پھولتی ہیں، گھاس کا ایک تنکا تک پیدا نہیں ہوتا۔ بارش کا زمانہ جس طرح زمین کے لیے روئیدگی کا موسم ہے، ٹھیک اسی طرح رمضان المبارک روحِ اسلام کے لیے بالیدگی کا موسم ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے روزے کا

حکم اس شکل میں دیا ہوتا کہ مسلمانوں میں سے ہر شخص جب چاہے روزے رکھ کر تیس روزوں کی تعداد پوری کر لیا کرے تو ہماری دینی زندگی میں یہ موسم کی سی کیفیت کبھی پیدا نہ ہو سکتی تھی لیکن اس حکیم مطلق نے حکم اس شکل میں دیا کہ تمام مسلمان ایک ہی مہینے میں ایک ساتھ روزے رکھیں۔ اس چیز نے موسم کی سی کیفیت پیدا کر دی موسم جب آتا ہے تو اعلیٰ درجے کی زرخیز زمینوں کو چھوڑیئے، جس زمین میں کچھ بھی روئیدگی کی صلاحیت ہوتی ہے اس کے اندر سے بھی سبزی کی کونپلیں پھوٹنے لگتی ہیں کیونکہ موسم کی برکت یہی ہے کہ روئیدگی کی ادنیٰ سے ادنیٰ صلاحیت رکھنے والی زمین بھی اس کے فیض سے محروم نہیں رہتی، اور جو زمین موسم آنے پر بھی ایک کونپل تک نہ نکالے اس کی یہ کیفیت اس بات کی صریح علامت ہوتی ہے کہ وہ قوتِ نمو سے بالکل خالی ہے۔ اسی طرح رمضان ایک ایسا زمانہ ہے کہ جس مسلمان کے اندر ایمان کی ایک رمق اور اسلام کا کوئی ذرہ برابر جذبہ بھی موجود ہو وہ گیارہ مہینے خواہ کیسا ہی بے حس رہا ہو، اس مہینے کے آتے ہی اس کے اندر کا سویا ہوا ایمان کروٹیں لینے لگتا ہے۔ ایک مہینے تک تمام مسلمانوں کا ایک وقت سحری کے لیے اٹھنا، سب کا ایک ساتھ دن بھر روزے رکھنا، ایک ہی وقت میں سب کا افطار کرنا، اور راتوں کو جگہ جگہ تراویح پڑھنا، مسلمانوں کی بستیوں میں ایک زبردست اجتماعی ماحول پیدا کر دیتا ہے جس کی برکت سے مسجدیں بھر جاتی ہیں، ہر طرف تلاوتِ قرآن کا چرچا ہونے لگتا ہے، وہ لوگ بھی نمازیں پڑھنے لگتے ہیں جو دوسرے دنوں میں نماز کے پابند نہیں ہوتے، اور وہ لوگ بھی روزے رکھنے لگتے ہیں جن کے اندر دوسرے دنوں میں دین سے کوئی خاص لگاؤ نہیں پایا جاتا۔ اس ماحول میں بھی اگر کوئی شخص بالکل غیر متاثر رہتا ہے، خدا کی طرف کوئی رجوع اس کے دل میں پیدا نہیں ہوتا، نماز روزے اور تلاوتِ قرآن کے لیے کوئی رغبت اس کے دل میں نہیں اُبھرتی تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اس کا دل جذبۂ ایمانی سے قطعاً خالی ہے۔ اسلام سے اس کا کوئی رشتہ باقی نہیں رہا ہے۔ خدا اور اس کے دین کے ساتھ، اور مسلمانوں کی ملت کے ساتھ جتنے روابط ہو سکتے تھے، ان سب کو اس نے کاٹ پھینکا ہے۔ اس کے بعد آپ کیا بھروسہ کر سکتے ہیں کہ جو آدمی مسلمانوں کے اندر پیدا ہو کر، مسلمانوں کی ملت میں آنکھیں کھول کر، مسلمان معاشرے کا ایک جزء ہو کر، اس قوم کے دین اور اس کے نظامِ حیات ہی سے اپنے مقدس ترین تعلقات اور روابط کو اس طرح کاٹ سکتا ہے، وہ کل اس قوم کے ساتھ کوئی غداری اور خیانت نہ کر بیٹھے گا ظاہر

بات ہے کہ وہ اپنی خواہشاتِ نفس کی بندگی ہی میں تو یہ طرزِ عمل اختیار کر رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اس کی خواہشات اس سے یہ کچھ کرا سکتی ہیں تو کل یہی خواہشات اس سے اور کیا کچھ نہ کرا سکیں گی؟

حضرات، ہمیں بڑی سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیے کہ یہ صورتِ حال ہمارے ہاں آخر کیوں پیدا ہوئی ہے۔ اگر چند آدمی ہی اس میں مبتلا ہوتے تو اسے نظر انداز کیا جا سکتا تھا، مگر یہاں تو ہزاروں لاکھوں آدمی ہمارے اندر ایسے موجود ہیں جو علانیہ اور فخریہ رمضان میں کھاتے پیتے رہتے ہیں اور اُلٹا روزہ داروں کو شرمندہ کرتے ہیں۔ یہ فی الواقع بڑی تشویش کی بات ہے۔ اور ہمیں اس کے اسباب کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ صورت حال دراصل اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ ہم نے ایک مدت سے اس بات کی پروا کرنی چھوڑ دی ہے کہ ہمارے اندر جو اصلاحِ عظیم اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب نے کی تھی وہ ہمارے معاشرے میں باقی رہتی ہے یا ضائع ہو جاتی ہے۔ ہمیں اپنی قوم کی دنیا بنانے کی تو بڑی فکر رہی ہے اور اس کے لیے ہم بڑی تگ و دو کرتے رہے ہیں، مگر اُس عظیم الشان اخلاقی و روحانی اصلاح اور اُس زبردست دینی نظام کو برقرار رکھنے کی کوئی فکر ہمیں نہیں رہی جس پر ہماری ملت کے معاشرے کو قائم کیا گیا تھا۔ بلکہ اس کے برعکس ہمارے ہاں بڑے پیمانے پر تعلیم و تربیت اور قانون و ضابطہ کا وہ نظام کارفرما رہا ہے جو اس ڈھانچے کو منہدم کرنے والا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ اسلام کے عظیم ترین مقدسات کے پامال ہونے کی ہمارے بااثر طبقے اتنی پروا بھی نہیں کرتے جتنی اپنی پتلون کی شکن خراب ہو جانے کی کرتے ہیں۔

حضرات، انسان کی اصلاح ایک بڑا مشکل کام ہے، اس کو بگاڑنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اصلاح کرنی ہو تو سالہا سال کی محنتوں اور مسلسل کوششوں سے ہوتی ہے۔ بگاڑنا ہو تو اس کے لیے کوئی خاص محنت و کوشش درکار نہیں ہوتی، بسا اوقات صرف سعیِ اصلاح سے غفلت ہی اس کے لیے کافی ہو جاتی ہے۔ آپ ایک بچے ہی کی مثال لے لیجیے۔ اس کو آپ ایک اچھا اور پاکیزہ انسان بنانا چاہیں تو آپ کو برسوں اپنی جان کھپانی پڑے گی تب کہیں اس کے ذہن اور عادات اور خصائل کو آپ سنوار سکیں گے۔ لیکن اگر آپ یہ چاہیں کہ وہ بگڑے تو اس کے لیے کسی خاص کوشش کی حاجت نہیں ہے۔ صرف باگیں ڈھیلی چھوڑ دینا کافی ہے، معاشرے میں ہر طرح کے لچوں لفنگوں کے ساتھ چل پھر کر وہ خود بگڑ جائے گا۔

محنت اور کوشش کی ضرورت ترقی کے لیے ہوتی ہے نہ کہ تنزل کے لیے ۔ آپ کسی گاڑی کو بلندی پر لے جانا چاہیں تو بڑی طاقت صرف کیے بغیر وہ اوپر نہ چڑھ سکے گی۔ نشیب کی طرف جانا چاہیں تو صرف بریک ڈھیلا چھوڑ دیجیے ۔ گاڑی خود لڑھکے گی اور جہاں تک نشیب ملے گا لڑھکتی چلی جائے گی ۔ ایسا ہی معاملہ انسانی معاشرے کا ہے ۔کسی معاشرے کو درست کر کے ایک اعلیٰ درجے کے نظامِ فکر و عمل کا پابند بنانا بڑا محنت طلب کام ہے جس کے لیے صدیوں کی کوششیں درکار ہوتی ہیں ، مگر ان کوششوں کے ثمرات و نتائج کو ضائع کرنے کے لیے صرف اتنی بات بھی کافی ہو سکتی ہے کہ آپ ان کو قائم و برقرار رکھنے کی فکر چھوڑ دیں اور جو بگاڑ بھی معاشرے میں پھیلتا نظر آئے اس کی پروا نہ کریں ۔ مسلمانوں میں جو خوبیاں پیدا ہوئیں وہ کچھ یونہی اتفاقاً نہیں پیدا ہو گئیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اور ان کے بعد امت کے صلحاء و اتقیاء اور علماء و فقہاء نے صدیوں کی عرق ریزی و جانفشانی سے کروڑوں انسانوں کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکالا ۔ اخلاق کی پستیوں سے اٹھایا ۔ جاہلیت کی رسموں اور طور طریقوں کو مٹایا ۔ خدائے واحد کی بندگی کے لیے ان کو تیار کیا ۔ آخرت کی بازپرس کا عقیدہ ان کے دلوں میں بٹھایا ۔ اخلاقِ فاضلہ کی تعلیم و تربیت دے کر ایک خاص کیرکٹر ان کے اندر پیدا کیا ۔ نماز اور روزے اور حج اور زکوٰۃ جیسی پاکیزہ عبادات ان میں رائج کیں ۔ اور اسلامی نظامِ تہذیب و تمدن کا ایک مضبوط سانچا تیار کر دیا جس کی بدولت مسلمان اُن خوبیوں سے آراستہ ہوتے جو دوسروں کے لیے قابلِ رشک تھیں ۔ یہ جو کچھ صدہا برس کی محنتوں اور مسلسل کوششوں سے بنا ہے اس کو ہم ضائع اور برباد کرنا چاہیں تو آسانی سے کر سکتے ہیں ۔ لیکن اسے پھر تعمیر کرنا چاہیں تو پھر صدیاں ہی اس کے لیے درکار ہوں گی ۔

یہ ہماری انتہائی بدقسمتی ہے کہ ہمارے اسلاف نے سینکڑوں برس کی محنتوں سے ہمارے اندر جو اصلاح کی تھی اس کو ہم نے پچھلے ایک صدی کے اندر بُری طرح ضائع کیا ہے ۔ پہلے انگریزوں کی غلامی کے زمانے میں وہ بہت کچھ ضائع ہوئی ۔ اور اب اُن کی غلامی ختم ہو جانے کے بعد خود اپنے حکمرانوں کے دور میں ہم اس کو پہلے سے بھی زیادہ ضائع کر رہے ہیں ۔ یہ وہی غلطی ہے جس پر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر متنبہ فرمایا گیا ہے کہ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا " زمین میں اصلاح ہو جانے کے بعد اُس میں بگاڑ پیدا نہ کرو " ۔

رُوئے زمین پر بسنے والے انسانوں کی زندگی میں جتنی بھی اصلاح ہوئی ہے انبیاء علیہم السّلام اور نوعِ انسانی کے نیک انسانوں کی ہزار ہا برس کی کوششوں سے ہوئی ہے۔ ایک ایک بُرائی کا سدباب کرنے اور ایک ایک بھلائی کو قائم کرنے میں خدا کے صالح بندوں کو صدہا برس محنت کرنی پڑی ہے تب جا کر دنیا میں کچھ عالمگیر اخلاقی ضوابط پر انسانی تہذیب کی تعمیر ہو سکی ہے۔ اس تعمیر کو برباد تو آسانی سے کیا جا سکتا ہے، مگر پھر سے اس کو تعمیر کر دینا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ ایک معمولی مثال دیکھیے۔ صرف یہ بات کہ عورت اور مرد کا تعلق نکاح کے سوا کسی اور صورت میں نہ ہو، انسان کو اس کا قائل کرنا اور اس کا خوگر بنانا اور معاشرے میں اس کو ایک مسلّم ضابطے کی حیثیت سے رائج کر دینا اتنا مشکل کام تھا کہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین نوعِ انسانی کو اس کے لیے ہزار ہا برس تک کوشش کرنی پڑی ہو گی تب کہیں دنیا میں یہ ایک اصلاح نافذ کی جا سکی ہو گی۔ اس لیے کہ انسان میں جنسی انارکی کی طرف ایسا زبردست میلان موجود ہے کہ اسے ایک اخلاقی ضابطہ کا پابند بنا دینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اِس اصلاح کو ضائع کر دینے کے لیے کسی بڑی محنت کی ضرورت نہیں۔ عورتوں اور مردوں میں آزادانہ اختلاط کی راہیں کھول دیجیے اور خاندانی منصوبہ بندی کے ذرائع و وسائل عام لوگوں کی دست رس تک پہنچا دیجیے۔ جنسی انارکی کا دیو جسے مشکل سے باندھا گیا تھا، ایک دفعہ کھل جانے کے بعد دیکھتے دیکھتے اُس ساری اصلاح کو غارت کر دیگا جو ہزار ہا برس کی کوششوں سے ہوئی تھی لیکن اس کے تباہ کن نتائج سامنے آنے کے بعد جس طرح کہ آج وہ مغربی معاشرے کے سامنے انتہائی بھیانک صورت میں آ رہے ہیں، آپ اگر چاہیں کہ پھر اس دیو کو قید کر دیں، تو یہ کوئی آسان کام نہ ہو گا۔ اس کے لیے پھر صدہا برس ہی کی محنتیں درکار ہوں گی۔ اسی لیے قرآن مجید انسانیت کے غارت گروں کو متنبہ کرتا ہے کہ زمین میں جو اصلاح بڑی مشکلوں سے ہوئی ہے اس کو تم اپنی حماقتوں سے برباد نہ کرو۔

اسی ایک مثال پر آپ قیاس کر لیجیے کہ جس عظیم الشان عمارت کا نام اسلامی تہذیب و تمدن ہے اس کی تعمیر کس مشکل سے ہوئی ہو گی۔ کتنی جہالتوں اور گمراہیوں کو مٹا کر اور کتنی بُرائیوں کا سدباب کر کے اس کے لیے زمین صاف کی گئی ہو گی۔ کتنی جانفشانیوں سے صحیح عقائد اور صحیح خیالات ذہنوں میں بٹھائے گئے ہوں گے۔ کیا کچھ محنتیں اخلاقی حدود اور ضوابط کو معاشرے میں عملاً قائم کرنے پر صرف کی گئی ہوں گی۔ اور

پھر اس پوری عمارت کو سہارنے کے لیے اسلامی نظامِ زندگی کے یہ پانچ ستون ــــ شہادت، توحید، نماز، روزہ اور حج ــــ مضبوطی کے ساتھ جمائے گئے ہونگے۔ یہ جو کچھ بنا ہے ہمارے اسلاف کی بے حد و حساب کوششوں سے بنا ہے، اور یہ عظیم سرمایہ ہمیں میراث میں مفت مل گیا ہے۔ اس کو اگر ہم ترقی نہیں دے سکتے تو کم از کم اسے برباد تو نہ کرنا چاہیے۔ ہمارا نظامِ تعلیم و تربیت، ہمارا لٹریچر، ہمارا تصورِ ثقافت، اور بحیثیت مجموعی ہمارے قوانین اور نظم و نسق اور معیشت و معاشرت کا پورا نظام جس رفتار سے اس سرمائے کی ناقدری کرنے والے اور اس کو برباد کرنے والے لوگ روز بروز زیادہ سے زیادہ تعداد میں پیدا کر رہا ہے، اس کو دیکھتے ہوئے کچھ بعید نہیں کہ ایک روز ہم اس کو بالکل کھو دیں گے، اور اگر ایک دفعہ ہم نے اسے کھو دیا تو پھر اسے از سرِ نو حاصل کر لینا کوئی آسان کام نہ ہوگا۔ خدا نہ کرے کہ وہ وقت آئے، اور خدا کرے کہ اس کے آنے سے پہلے ہی ہم سنبھل جائیں۔

توضیح مزید:۔ اس تقریر کے ابتدائی حصے میں رویتِ ہلال کے مسئلے پر جو بحث کی گئی ہے اُس کے سلسلے میں دو امور اور بھی ایسے ہیں جنہیں نگاہ میں رہنا چاہیے۔

۱۔ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۶ء تک ۱۲ سال کے دوران میں پورے ۹ سال ایسے گزرے ہیں جن میں سابق صوبہ سرحد کے اکثر و بیشتر مقامات کی عید پاکستان کے باقی تمام حصوں سے ایک یا دو دن پہلے ہوئی ہے۔ صرف تین سال (۱۹۵۶ء، ۱۹۶۰ء اور ۱۹۶۲ء) ایسے تھے جن میں پورے ملک کی عید ایک دن ہوئی اور یہ سال وہ تھے جن میں سب جگہ ۲۹ کا چاند دیکھ لیا گیا تھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس پر اخبارات کے فائل گواہ ہیں۔ اب ۱۹۶۷ء میں پہلی مرتبہ رویتِ ہلال کے معاملہ میں سابق صوبۂ سرحد کی اطلاعات کو پورے ملک کے لیے حجت قرار دینے پر اصرار کیا گیا ہے، حالانکہ یہ امر ابھی تحقیق طلب ہے کہ وہاں باقی ملک سے پہلے چاند نظر آنے کی کیا خاص وجہ ہے۔

۲۔ ۲۴ر جنوری کی شام کو لاہور میں جو چاند دیکھا گیا وہ یقیناً بدرِ کامل نہ تھا، حالانکہ اگر ۱۲ر جنوری کو شوال کی پہلی تاریخ ہوتی تو یہ چودھویں کا چاند ہونا چاہیے تھا لیکن وہ مکمل بھی نہ تھا اور اتنی بلندی

پر تھا جس پر چودھویں کا چاند کبھی نہیں ہوتا۔ بدر کامل کا ظہور یہاں ۲۵ جنوری کو ہوا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ شوال کی پہلی تاریخ ۱۳ جنوری کو تھی نہ کہ ۱۲ کو۔ اگر سابق صوبہ سرحد میں چاند کی یہ کیفیت نہیں پائی گئی ہے تو یہ اس بات کا ثبوت ہو گا کہ وہاں کا مطلع پاکستان کے دوسرے حصوں سے مختلف ہے۔

ماہنامہ چراغِ راہ کراچی — فروری کے شمارہ میں

مجلۂ ادارۂ معارفِ اسلامی

مقالات: • اسلامی شریعت میں تغیر کے اصول — مولانا معین الدین

• مغربی ثقافت اور اسلامی تمدن — مصطفیٰ سباعی مرحوم

عالمِ اسلام • یہودی اکابرین کے پروٹوکول — مصباح الاسلام

تعارفِ کتب • "اسلام اِن ماڈرن ہسٹری"، تعارف، تنقید و تبصرہ (دوسری قسط) خورشید احمد

علمی افق (علمی رسائل کے اہم مقالات کی تلخیص)

• فقہ اسلامی اور عائلی قانون • حدیث اور امام ابو حنیفہ

• انفرادی ملکیت اور اسلام • اسلام اور تعلیم

• صحت کا صحیح نظریہ

تبصرے: اسلامی سوشلزم — ایک مہمل اور مضحکہ خیز اصطلاح۔

نصرت کی اشاعتِ خصوصی پر سلیم احمد کا تبصرہ

اس کے علاوہ — حسن البنا شہید کی ڈائری — چوتھی قسط

صفحات: ۸۰ — قیمت: ۵۰ پیسے — سالانہ چندہ ۹ روپے

پتہ: منیجر "چراغِ راہ" یوسف منزل، ہرمزجی روڈ، کراچی ۱